Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 3 (January-March 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

The Concept of Jihad! A Comparative Study of the Ideas of Pir Muhammad Karam Shah Al-Azhari and Dr. Asrar Ahmad

تصور جہاد! پیر محمد کرم شاہ الازہری اور ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار کا تقابلی مطالعہ

Muhammad Asif
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur, asif.khan7446987@gmail.com

Mishal Ishfaq
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, the Islamia University of Bahawalpur, mishal.basra@gmail.com

Abstract

While Jihad isn't explicitly enumerated among the foundational pillars of Islam, its significance and prominence, as determined by Islamic teachings, cannot be overlooked. Jihad stands as both a cornerstone of Islamic practice and a subject of extensive discourse in contemporary times. Whether from Muslim scholars or non-Muslim intellectuals, Muslim leaders or non-Muslim figures, diverse perspectives abound on this topic. Some condemn it as terrorism, while others hail it as a means to seek divine favor. Titles like fundamentalism and extremism are ascribed to it by some, while others view it as a legitimate assertion of freedom. Beyond traditional notions of military struggle, Jihad has evolved to encompass various forms of political violence and conflict, presenting new dimensions to consider. Concurrently, global dynamics have shifted, with oppression, domination, and colonialism assuming subtler forms. While aggression and conflict

CC BY

persist, the methods of exerting power have adapted, reflecting changing human attitudes and societal norms. This evolution, spurred by scientific advancements and strategic planning, underscores the need to look forward rather than dwell on the past. While the origins of this transformation are evident, dwelling on historical precedents is less crucial than proactively shaping the future in light of present realities.

Keywords: Islam, Jihad, discourse, evolution, future

تمہید

جہاد، اسلام کے بنیادی ارکان میں اگرچہ شامل نہیں لیکن اس کی جو فضیلت و اہمیت اسلام نے متعین کر دی ہے، اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک طرف جہاد، اسلام کا سب سے افضل عمل ہے اور دوسری طرف یہ دور حاضر کا سب سے زیادہ زیر بحث مسئلہ بھی ہے مسلم مفکرین ہوں یا غیر مسلم دانشور، مسلم حکمران ہوں یا غیر مسلم سربراہان ہر کوئی اپنے انداز سے اس موضوع پر خامہ فرسائی کر رہا ہے کوئی اسے دہشت گردی قرار دے رہا ہے تو کوئی اسے خدا کی رضا کا ذریعہ ۔ کوئی اسے بنیاد پرستی، انتہا پرستی، وغیرہ جیسے القابات سے نواز رہا ہے تو کوئی اسے اپنا حق آزادی سمجھ رہا ہے۔ جبکہ عملی طور پر دنیا بھر میں حقوق کے تحفظ کے لئے ہونے والی عسکری جدوجہد کے علاوہ سیاسی تشدد اور سیاسی کشمکش کی نت نئی شکلوں نے جہاد سے متعلقہ بہت سے نئے پہلوؤں کو بھی متعارف کروادیا ہے۔ اور اس کے برعکس دوسری طرف یہ صورت حال سامنے آئی ہے کہ دنیا بھر میں اب ظلم و تشدد، جبر و تسلط اور قبضہ و استعمار کی شکلیں تقریباً بدل گئی ہیں۔ اب جنگ و جدل اور جارحیت کا مظاہرہ کئے بغیر بھی وہ سارے مفادات بالادست قوتیں حاصل کر لیتی بلکہ کر رہی ہیں جن کے لئے کسی دور میں کشت وخون کے مراحل سے گزرنا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ گویا ظلم آج بھی موجود ہے مگر اس کی شکل اب بدل گئی ہے۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ جنگ و جارحیت کی صورت کلی طور پر دنیا سے ختم ہوگئی یا ختم ہونا چاہتی ہے بلکہ مجموعی طور پر انسانی رویوں میں تبدیلی آگئی ہے۔ اور یہ تبدیلی بھی کوئی خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ سائنسی پیش رفت کے پیش نظر حفظ ماتقدم کے طور پر، اسے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے، اور صاف ظاہر ہے کہ اس تبدیلی کے قلابے کہاں ملتے ہیں لیکن ہمیں اب ماضی کی ورق گردانی نہیں بلکہ حال کو مد نظر رکھتے ہوئے مستقبل کی پیش بندی کرنی ہے۔

تعارف جہاد و ضرورت و اہمیت

اسلام کی اشاعت اور ترویج میں شامل ہے کہ اپنی تمام جسمانی، مالی، روحانی، لسانی، اور ذہنی صلاحیتوں کو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے وقف کر دیں۔ اسے جہاد کہا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے اللہ کی نظر میں نیکی اور راستبازی کی خاطر تمام جسمانی، مالی اور ضروری صلاحیتوں کو قربان کر دینا۔ گویا اپنی تمام ظاہری و باطنی صلاحیتوں کو صرف اور صرف اللہ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے

CC BY

وقف کر دینے کو جہاد کہتے ہیں۔ریاست کی سرحدوں کو کفار کے حملے سے محفوظ رکھنے اور باطل قوتوں کو کچلنے کے لیے کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرنا اور دشمن کے فتنے کو روکنے کے لیے اپنے تمام جسمانی اور مادی وسائل کی قربانی دینا جہاد کہلاتا ہے۔جب اسلام دشمن قوتوں کے ہاتھوں دبا دیا جائے اور کلمہ حق کو دبا دیا جائے اور اسلامی ریاست کی سرحدیں مٹ جائیں تو تمام مسلمانوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس فتنے کو روکنے کے لیے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے وسائل کو بروئے کار لائیں اور اپنی مذہبی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔فرض ہے کہ وہ اپنی جان،مال،اولاد اور عزیز و اقارب کی پرواہ کیے بغیر دشمن سے مقابلے کے لیے تیار رہیں اور دشمن سے ٹکرائیں۔ایسے حالات میں جہاد ایمان کی علامت بن جاتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

"إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلَّذِينَ آمَنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلصَّادِقُونَ"۔[1]

" مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول پاک پر ایمان لائے پھر اس میں شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستے میں جہاد کیا یہ سچے اترنے والے ہیں "

مسلمانوں کو ہر طرح کی ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر صرف نیکی اور بھلائی کی قوتوں کو پروان چڑھانے کیلئے کفار کا مقابلہ کرنا چاہیے۔جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ

"ٱلَّذِينَ آمَنُواْ يُقَاتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يُقَاتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱلطَّاغُوتِ"۔[2]

"وہ لوگ جو ایمان لائے خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں"

مسلمان مجاہد کو دشمن سے برسرپیکار ہوتے وقت ثابت قدم رہنے کی بھرپور تاکید کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ

"يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ آمَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ زَحْفاً فَلاَ تُوَلُّوهُمُ ٱلأَدْبَارَ"۔[3]

"اے ایمان والو!جب کافروں کے لشکر سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو "

بلاشبہ مسلمان مجاہد کا ہر قدم خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے،اس پر اللہ کی رحمتوں کا سایہ ہوتا ہے جبکہ لادینی قوتیں شیطان کے زیر اثر میدان جنگ میں اترتی ہیں ن کا مقصد صرف افراتفری اور بدعنوانی پھیلانا ہے،دنیا کے امن و سلامتی کو تباہ کرنا ہے۔

تصورِ جہاد:پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کے افکار

اسلام کے تصور جہاد کو بیان کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں کہ قرآن کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان تین چیزوں کو خوب ذہن نشین کر لیا جائے۔

OPEN ACCESS
CC BY

1-جہاد کس مقصد کے لیے کیا جائے؟

2۔ جہاد کس کے ساتھ کیا جائے؟

3۔ اور کن شرائط اور قیود کے ساتھ قرآن نے جہاد کی اجازت دی ہے؟۔4

مقصد جہاد کے متعلق تو فرمایا: فی سبیل اللہ حق کی سربلندی کے لیے۔ لوٹ مار، تجارتی صنعتی رقابت، وطنی یا نسلی عداوت و تعصب یا اس قسم کے سفلی مقاصد مومن کی جنگ کے پیش نظر نہیں ہوتے۔ صرف اُن لوگوں کے ساتھ، الذین یقاتلونکم، جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ جو تم پر یلغار کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ اور اس شرط کے ساتھ " لا تعتدوا " کہ جب جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ آتش انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے۔ خبر دار اس وقت بھی کسی پر زیادتی مت کرو کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا عورتوں معصوم بچوں، اپاہجوں، بوڑھوں، کسانوں، مزدوروں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے سے اسلام نے منع فرمایا ہے (بشرطیکہ یہ لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں۔ حضرت صدیق اکبر جب اپنے ایک سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو الوداع کہنے کے لیے گئے تو رخصت کرتے وقت انہیں پھلدار درختوں کے کاٹنے، اونٹوں اور شیر دار جانوروں کو بلاضرورت ہلاک کرنے سے منع فرمایا۔[5]

مستشرقین کے نظریہ جہاد پر اعتراضات کا جواب:

مستشرقین کے نظریہ جہاد پر طرح طرح کے اعتراضات کے بارے میں پیر صاحب فرماتے ہیں کہ مستشرقین کے اعتراض کہ تلوار لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے اٹھائی۔ایک اور اعتراض جو جہاد کے حوالے سے مستشرقین کی طرف سے کیا جاتا ہے وہ یہ کہ جہاد تو لوٹ مار کا ایک طریقہ تھا پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسلام میں جہاد کے تصور پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے والے حضرات کو ایمانداری سے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ دنیا کی کسی قوم نے کبھی برداشت کیا ہے یا کوئی موجودہ تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ ہے۔ ایسی قوم موجود ہے جس کے جنگی اصولوں میں عدل و انصاف کو اس طرح شامل کیا گیا ہے۔ عصر حاضر میں، جب جنگیں شروع ہوتی ہیں، پر امن شہریوں اور پورے محلوں کو ایٹم بموں سے ختم کر دیا جاتا ہے۔ معصوم عورتوں، بچوں، بوڑھوں یا بیماروں کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ حتیٰ کہ اسپتالوں، اسکولوں اور عبادت گاہوں کے تقدس کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔6

اطاعت قبول کرلینے والوں کے بارے میں پیر محمد کرم شاہ الازہری کا موقف:

اطاعت قبول کرلینے والوں کے بارے میں پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں کہ مخالفین جب اطاعت قبول کر لیں اور دین کے معاملہ میں مداخلت اور جبر کرنے کی قوت ٹوٹ جائے اور ہر شخص آزادی سے دین حق کو قبول کر سکے تو اس وقت جنگ بند کر دینے کا حکم ہے۔7

CC BY

عرب ہمیشہ ایک دوسرے سے بر سر پیکار رہا کرتے تھے لیکن ان کا یہ باہمی معاہدہ تھا کہ سال میں چار ماہ محرم، رجب ذیقعد اور ذی الحج میں جنگ بند کر دی جاتی تھی۔ لیکن جب مسلمان ماہ ذیقعد سن ۷ میں عمرہ کے لیے گئے تو کفار نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اپنے دیرینہ دستور کو بھی نظر انداز کر دیا اللہ تعالی مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ اگر وہ اس ماہ حرام کا پاس نہیں کرتے تو تم بھی نہ کرو۔ اور اگر وہ جنگ کریں تو تم بھی مدافعت کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔ اگر وہ اطاعت قبول کر لیں اور معاہدے کی پاسداری کریں تو جنگ سے رک جاؤ لیکن اگر وہ معاہدہ توڑ دیں تو پھر اس صورت میں تم بھی میدان میں نکل آؤ اور پوری قوت سے ان کا مقابلہ کرو۔

نظری تجزیہ

قرآن نے پہلے ہی اس کا ذکر دیا تھا کہ دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبر و اکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ نیز اسلام بحیثیت دین، انسان کی باطنی اور قلبی اصلاح اور درستی کرنا چاہتا ہے۔ اگر کسی کے گلے میں آپ جبراً پھندا ڈال دیں تو کیا اس کی روحانی اصلاح ہو جائے گی اور کیا اسلام کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس شخص کو مسلمان کرنے میں اسلام کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ یہ اس بہتان و الزام کا نظری تجزیہ ہے۔

عملی تجزیہ

عملی تجزیہ یہ ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج ہندوپاک کے میدانوں میں، مراکش کے صحراؤں میں ہمالہ کی چوٹیوں اور بحر اوقیانوس کے دور افتادہ جزیروں میں یورپ کے ہنگامہ زا شہروں میں اور ایشیا کے بیشتر ملک میں ہر روز پانچ دفعہ آذان کی آواز گونج رہی ہے۔ کیا جس دین کو ظلم و ستم کے خون سے قبول کیا گیا ہو اس سے لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم ہوا کرتا ہے بلکہ یہاں تو اسلام کے متوالوں کو ستایا گیا۔ ان پر ظلم توڑے گئے انہیں تختۂ دار پر سر راہ لٹکایا گیا پروپیگنڈے کے طوفان اٹھا کر آئے لیکن اپنا سر پٹخ پٹخ کر رہ گئے ان اللہ کے بندوں کو جو عقیدت اپنے رب سے تھی جو عشق اپنے محبوب اور پیارے رسول ﷺ سے تھا جو شیفتگی اپنے اس دین برحق سے تھی اس میں کمی نہ ہوئی۔8

مستشرقین کا اعتراض

بعض مستشرقین نے اسلامی جہاد کو عجیب روشنی میں پیش کیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ مسلمان فطری طور پر لوٹ مار، جنگ اور جھگڑے کی طرف مائل تھے، ہمیشہ پر امن بستیوں کو تباہ کرنے اور انہیں لوٹنے کے لیے تلواریں چلاتے تھے۔ تاریخ کا یہ پہلو اور قرآن کی آیت ان کے تمام قصوں کی تردید کے لیے کافی ہے۔ جو قوم طاقت کے نشے میں مست ہو، اس کے پاس وسائل وافر ہوں، کمزور حریف ہو، اور مذہب اور اخلاقیات کی پابندی نہ ہو، تو یہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ ایسی قوم جنگ کا اعلان کرتی ہے،

OPEN ACCESS

کمزور دشمن کو نیست ونابود کرتی ہے، اور اپنی حکومت کو وسعت دیتی ہے، اپنے بندوں کو مالا مال کرتی ہے، اور ان کی دولت پر قبضہ کرتا ہے۔ تاہم، تاریخ ہمیں ایک بھی مثال فراہم نہیں کر سکتی جہاں ایک اقلیت، وسائل سے محروم، طاقتور اور اچھی طرح سے لیس اکثریت کا سامنا کرتے ہوئے، پرجوش طریقے سے جنگ کے لیے نکل پڑی۔ اب آپ خود فیصلہ کریں کہ مستشرقین کا یہ تصور کس حد تک درست ہے کہ یہ جنگ مسلمانوں کا مشغلہ تھا۔ کیا ایسے حالات میں مسلمان دشمنی شروع کرنے کی پوزیشن میں تھے؟ یقینی طور پر نہیں. قرآن حکیم کے الفاظ پر غور کریں: "اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ اگر مسلمان فطری طور پر جنگ کی طرف مائل ہوتے اور ان کا مذہب انہیں لوٹ مار کی تعلیم دیتا ہے تو کیا وہ جنگ کو ناپسند کرتے یا اس کے لیے بہانے تلاش کرتے تاکہ ان کی لوٹ مار کی خواہش پوری ہوسکے۔ 9

تعمیل حکم ربی کی وضاحت

پیر کرم شاہ الازھریؒ لکھتے ہیں کہ:

اللہ تعالی کے فرمان کے سامنے تمہاری پسند اور ناپسند کو دخل نہیں تمہارا فرض ہے اپنے رب کا ہر حکم مانتے چلے جاؤ۔ کیونکہ وہی جانتا ہے کہ تمہارے لیے کونسی چیز مفید ہے اور کونسی نقصان دہ ہے۔ اس فدائیت اور جاں نثاری کے میدان میں وہی قدم رکھے جو پہلے اپنی زندگی اور اس کی دل بستگیوں کا سودا اپنے رب کے ساتھ کرچکا ہو۔ وہ لوگ جو دنیا اور دنیاوی جاہ و جلال کے متلاشی ہیں وہ کسی اور منڈی کا رخ کریں مسلمانوں کی صفوں میں اور اسلام کے پرچم کے نیچے ایسے دوں ہمت اور دنیا طلب لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جب کسی کے عمل میں اخلاص ہو، جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دینی اصولوں کی پاسداری ہو، تو حقیقی کامیابی محض خوش نصیبی کے ذریعے دولت اور خزانے جمع کرنا نہیں ہے۔ کوئی صحت مند ہو کر گھر لوٹے یا شہادت کا پیالہ پیے، وہ شخص ہر حال میں کامیاب ہے۔ علامہ مرحوم نے کیا خوب ترجمانی کی ہے 10

برتر از اندیشہء سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

یہاں پیر صاحب فرمارہے ہیں کہ وہ لوگ جو دنیا اور دنیاوی جاہ و جلال کے متلاشی ہیں وہ کسی اور منڈی کا رخ کریں۔ مسلمانوں کی صفوں میں اور اسلام کے پرچم کے نیچے ایسے دوں ہمت اور دنیا طلب لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔یعنی وہ لوگ جہاد میں شامل ہوں جن کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی رضا ہو۔

کفار مکہ کا مسلمانوں کے ساتھ سلوک

مکہ میں بہت سے مرد، عورتیں اور بچے تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن کفار مکہ نے ان کی زندگی اجیرن کر دی۔ وہ ہجرت نہیں کر سکے اور نہ ہی انہیں امن و سلامتی مل سکے۔ انہوں نے بے خوفی کے ساتھ ناانصافیوں کو برداشت کیا اور اللہ

CC BY

سے دعائیں مانگیں، مظلوموں کی مدد اور بے سہارا لوگوں کی مدد کی التجا کی۔ انہوں نے التجا کی کہ اے پروردگار کمزوروں پر رحم فرما اور ہمیں ان ظالموں کے چنگل سے بچا۔

مسلمانوں اور کفار کی جنگوں کا فرق

مسلمان اور کافر کی جنگ میں فرق کرتے ہوئے پیر صاحب فرماتے ہیں کہ عمل ایک جیسا ہو سکتا ہے لیکن مقاصد میں اختلاف کی وجہ سے وہ لائق تحسین یا قابل مذمت بن جاتا ہے۔ اسلام بھی جنگ کی اجازت دیتا ہے اور دوسری قومیں بھی تنازعات میں پڑ جاتی ہیں۔ دونوں جنگیں خون کی ندیاں، زخموں سے لدی کمر، اور فضا چیخ و پکار سے ماتم کناں ہے۔ تاہم، اسلام کی جنگ اور دیگر جنگوں میں ایک واضح تضاد باقی ہے۔ مسلمانوں کی جنگ اللہ کے کلام کو برقرار رکھنے، انصاف، مساوات اور آزادی کے لیے، نیکی اور تقویٰ کی اقدار کو زندہ کرنے کے لیے ہے۔ دوسری طرف غیر مسلم جنگوں کا پردہ صرف مادی مفادات کو پورا کرتا ہے۔ کسی ملک پر قبضہ کرنا، کسی قوم کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا، اپنی تجارت کے لیے منڈیاں قائم کرنا، مفتوحہ سرزمین کے وسائل اور قدرتی خزانوں سے استفادہ کرنا، یہ سب ظلم کے نام سے موسوم ہیں۔ ان تمام مقاصد کے لیے جنگ لڑنے والوں کے سروں پر ہلال کا جھنڈا لہرا رہا ہو اور تکبیر کی گونج پوری فضا میں گونج رہی ہو لیکن یہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں ہو گی۔ 11

باطل کو مٹانے کی ترغیب

اہل ایمان سے مخاطب ہو کر پیر صاحب فرماتے ہیں کہ "اے اہل ایمان، باطل کو مٹانے کے لیے اپنی تمام تر قوت جمع کرو، حق کی معرفت سے فتح و نصرت تمہاری ہی ہو گی، پھر انسانیت ایک کھلتا ہوا باغ دیکھے گی، جہاں کی بلندیاں اخلاقیات غالب ہوں گی اور نیکی کی چمک اور خوشبو دور دور تک پھیلے گی، امن و سلامتی کا دور شروع ہو جائے گا، یقیناً باطل کے کارندوں کی چالوں سے ڈرنے یا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمھارے نعرہ اللہ اکبر سے اہل طاغوت کے قلعے لرز جائیں گے تمھارے ایک حملہ کی دیر ہے ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا شیطان کا مکر و فریب بہت کمزور ہے۔

ترغیب جہاد

جہاد کے بارے میں رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امور دینیہ میں یہ بد نظمی کب برداشت کی جا سکتی ہے کہ ہر کہ بندہ مفتی بنا پھرے اور قرآن و سنت کو اپنی رائے سے ہم آہنگ کرتا رہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ حرص و ہوئی کے بندوں کی تقلید نہ شروع کر دیا کریں اور دینی امور میں اور جہاد کے بارے میں فقط ان علماء کی طرف متوجہ ہوں جن کا علم و فضل، زہد و تقویٰ اور دینی بصیرت مسلمہ اور جن کی سیرت بے داغ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ باطل کے مقابلے میں جدوجہد کرتے رہیں، خواہ تنہا ہی کیوں نہ پڑے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ اس حکم کے نفاذ پر

OPEN ACCESS

دلالت کرتے ہیں۔ "میں کافروں سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک مجھے تنہا نہ چھوڑ دیا جائے" یعنی میں ان سے اللہ کی رضا کے لیے لڑوں گا، چاہے میرے ساتھ کوئی نہ ہو۔ اور میری گردن جدا ہی ہو جائے۔

امام راغب یہاں شفاعت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ای من انضم الی غیره وعاونه وصار شفیعافي الخیروالشرفعاونه وقواه وشاركه في نفعه وضره

یعنی کسی اچھے یا برے کام میں کس کے ساتھ اس طرح شریک ہو جانا کہ اس کی اعانت اور تقویت پر اپنا پورا زور صرف کر دے اور اس کام کے نتائج میں بھی اپنے آپ کو برابر شریک سمجھے۔

توضیح

اس توضیح کے پیش نظر آیت کا یہ مفہوم ہو گا کہ جو شخص حق و صداقت کے علم بردار کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دیتا ہے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے تو ایمان نصیب نہ ہو گا۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز بتاؤں جس پر عمل کرو تو آپس میں محبت و پیار پیدا ہو جائے خود ہی فرمایا، ایک دوسرے کو اسلام علیکم کہا کرو دنیا میں جتنے آداب ملاقات رائج ہیں سب کو دیکھو ملاقات کا وہ طریقہ جو آپ کو قرآن نے سکھایا ہے اس کا جواب نظر نہ آئے گا۔12

آیت ہجرت کی وضاحت

پیر کرم شاہ الازھریؒ لکھتے ہیں کہ:

بعض لوگ اسلام تو قبول کر لیتے لیکن بال بچوں کی محبت، مال و جائداد کا پیار اور وطن کی کشش انھیں حجرت کرنے کی اجازت نہ دیتی اور اس طرح قبول اسلام کے بعد بھی انھیں مشرکوں کی معاندانہ سرگرمیوں میں شریک ہونا پڑتا اور بعض جو ہجرت کر کے مدینہ آ بھی جاتے لیکن وہاں کا نظام حیات، اخلاقی پابندیاں اور ان پر دشمن کے حملوں کا خطرہ انھیں وہاں قیام نہ کرنے دیتا اور وہ آب و ہوا کی ناموافقت کا عذر کر کے واپس لوٹ آتے۔ اس قسم کے لوگوں کے متعلق مسلمانوں کی آراء مختلف تھیں بعض انھیں مسلمان اور دوسرے انھیں خارج از اسلام خیال کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ان کے متعلق مختلف الرائے کیوں ہو یہ تو اپنی بد اعمالیوں کے باعث جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی لوٹا دیئے گئے۔ اس آیت سے صاف واضح ہو گیا کہ آیت سابقہ میں ان کے قتل کرنے کا حکم صرف اس وقت ہے جب وہ ہمارے خلاف لڑ رہے ہوں۔ اور جب وہ جنگ سے باز آ جائیں تو اس وقت حکم یہ ہے کہ تم بھی ان کے قتل سے ہاتھ روک لو۔13

اس آیت نے مزید وضاحت کر دی کہ قابل گردن زدنی وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔ یعنی غیر جانبداری کے ان بلند بانگ دعووں کے باوجود جب کبھی موقعہ ملے اور ان کی قوم انھیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کہے تو پھر انھیں اپنی غیر جانبداری کا خیال نہیں رہتا اور فوراً مسلح ہو کر کفار کی صفوں میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔

CC BY

تصور جہاد: ڈاکٹر اسرار احمد کی افکار

صدیوں کے زوال کے نتائج نے ہمارے معاشرے کے اندر نہ صرف عملی اور اخلاقی تنزلی کی ہے بلکہ مذہبی تصورات اور اصطلاحات کو بھی متاثر کیا ہے۔ مذہبی تصورات محدود ہو گئے ہیں، کچھ اہم مذہبی اصطلاحات اپنی جوہر اور اہمیت کھو چکی ہیں۔ ان اصطلاحات میں سے، ایک انتہائی اہم، "جہاد فی سبیل اللہ" کو زیادہ تر ظلم کے ہتھیار کے طور پر غلط سمجھا گیا ہے۔ یہ جامع اور جامع مذہبی اصطلاح نہ صرف انتہائی محدود معانی تک محدود رہی ہے بلکہ اس کا تعلق علاقائی توسیع کے نام پر گمراہ مسلمانوں کی طرف سے کی جانے والی بدعنوانی اور خونریزی سے بھی ہے۔ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے حوالے سے معاشرے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو ختم کرنا اور اس کے صحیح اور جامع مفہوم کو عام کرنا ضروری ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں مغالطے

ہمارے دین میں عام طور پر جو ترتیب ملتی ہے وہ پہلے نفی اور پھر اثبات ہے۔ چنانچہ کلمہ طیبہ میں بھی پہلے نفی ہے، پھر اثبات ہے لا إلہَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ- اسی طرح آیت الکرسی کے بعد والی آیت میں الفاظ آئے ہیں:

"فَمَنْ يَكْفُرْ بِٱلطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِٱللَّهِ..." 14

''پھر جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لایا...،،

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں کون سے مغالطے ہیں جو اولاً خود مسلمانوں کو لاحق ہوئے لیکن پھر ان پر دشمنانِ اسلام نے اسلام کی رسوائی اور بدنامی کی بنیاد کھڑی کر دی۔ ظاہر بات ہے کہ دشمنوں کا معاملہ تو فارسی کے اس شعر کے مصداق ہے۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است! اقتضائے طبیعتش این است!

نظم کہتی ہے کہ اسلام پر حملہ کرنا دشمنوں کی سیاست کی فطرت ہے، جیسا کہ بچھو قدرتی طور پر ڈنک مارتا ہے۔ لیکن اگر ہم نے ایسے کام کیے ہیں جو ان پر حملہ کرنے کی وجہ دیتے ہیں، تو ہمیں پہلے اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے 15۔

نظریہ اور نظام کی سطح پر جہاد

نظریہ اور نظام کی سطح پر جہاد کے بارے میں ڈکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں کہ اگر آپ کسی خاص نظریے کے قائل ہو گئے ہوں، اس کی حقانیت آپ کے دل میں جاگزیں ہو گئی ہو اور اب آپ چاہتے ہوں کہ اس نظریے کا پرچار ہو، اس نظریہ پر مبنی نظام قائم ہو اور اس کے منافی نظام کو ختم کیا جائے اور اس پورے نظام کی دھجیاں بکھیر دی جائیں۔

(علامہ اقبال کے الفاظ میں '' برہم زن اور شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں فُكَ كُلّ نظام) تو یہ جہاد کی بلند ترین منزل ہے۔

OPEN ACCESS

CC BY

اس کا تعلق انسان کے خیالات، نظریات، عقائد اور سوچ و فکر سے ہے۔ ظاہر بات ہے پھر اس نظریے پر مبنی جہاد ہو گا۔ اپنے پسندیدہ نظریے کو پھیلانا، عام کرنا اور اس نظریے پر مبنی نظام قائم کرنے کے لیے جہاد نظریاتی جہاد ہو گا۔ فرض کیجیے اگر کسی کے ذہن میں اشتراکیت کا فلسفہ بیٹھ گیا ہے اور وہ اس کو صحیح سمجھتا ہے، تاریخ کی یہی تعبیر اسے درست معلوم ہوتی ہے تو اب اگر اس نے اس نظریئے کو پھیلایا اور اس کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی تو یہ " جہاد فی سبیل الاشتراکیہ ہے۔ عوام کے جمہوری حقوق کے لیے آواز اٹھانا، جاگیر داری نظام سے آزادی حاصل کر کے جمہوریت کے قیام کی جدوجہد کرنا" جہاد فی سبیل الدیموکراتیہ ہے۔

اسی طرح ایک جہاد فی سبیل الشرک ہے، یعنی شرک کے حق میں جہاد کرنا۔ اس معنی میں یہ لفظ (جہاد) قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے کہ مشرک والدین اگر تم سے جہاد کریں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو تو ان کی اطاعت مت کرنا۔

سورۃ العنکبوت میں الفاظ آئے ہیں:

"وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلاَ تُطِعْهُمَا"-16

"اگر وہ (یعنی والدین) یہ کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ کسی کو شریک کرو جسکا تمہیں علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانو"

اور سورۃ لقمان میں فرمایا

"وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلاَ تُطِعْهُمَا"-17

"اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کا کہنا نہ ماننا۔"

مشرک والدین کے نوجوان بیٹے جب ایمان لے آئے تو ان پر مشرک والدین کا بھرپور دباؤ یہ تھا کہ واپس آ جاؤ اور اس دین کو چھوڑ دو۔ ان کا دباؤ اور کوشش درحقیقت جہاد فی سبیل الشرک فی سبیل الکفر اور فی سبیل الطاغوت تھا۔

چنانچہ قرآن مجید میں یہ آیت بھی آئی ہے

"اَلَّذِينَ آمَنُواْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱلطَّاغُوتِ "-18

'جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں"

ظاہر بات ہے بدر میں ابو جہل اور اس کے ساتھی بھی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر آئے تھے، لہذا وہ بھی مجاہد تھے لیکن وہ مجاہد فی سبیل الشیطان، فی سبیل الشرک اور فی سبیل الطاغوت تھے۔ جبکہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّہِ وَالَّذِینَ مَعَہُ مجاہدین فی سبیل اللہ تھے۔

یہاں آکر اب " جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح معین ہوئی۔ " جہاد " کی تیسری منزل کسی نظریے اور نظام کی بنیاد پر جہاد ہے اور اسلام میں وہ نظریہ ایمان ہے۔ ایمان کے اس نظریے پر ایک نظام قائم ہوتا ہے۔ اس نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد اقامت دین کے حوالے سے کچھ مراحل بیان کرتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

OPEN ACCESS
CC BY

ا۔ صبر محض

اس کے بعد یہ جماعت اب انقلابی مرحلے اقامت دین کے لیے اپنی جدوجہد کا آغاز کرے گی تو پہلا مرحلہ صبر محض (Passive Resistance) ہوگا، اس لیے کہ ماحول مخالفت کرے گا۔ پہلے زبانی اور پھر جسمانی طور پر تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا، پاگل اور دیوانہ کہا جائے گا۔ آپ کو معلوم ہے یہ ساری باتیں رسول اللہ ﷺ سے کہی گئیں۔ حضور ﷺ کو لیلی و مجنون، شاعر، ساحر او مسحور کہا گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ انہوں نے ایک عجمی غلام گھر میں بند کیا ہوا ہے، اس سے dictation لیتے ہیں، تورات اور انجیل کی باتیں اس سے سیکھتے ہیں اور ہم پر آکر دھونس جماتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے۔ حضور ﷺ کو یہ ساری باتیں سننی پڑیں۔ زبانی طور پر ایذا رسانی کے بعد پھر جسمانی تشدد کا دور شروع ہوا۔

نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو بھی اس کا نشانہ بننا پڑا۔ خاص طور نوجوانوں اور غلاموں کو بدترین جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ غلاموں پر ان کے آقاؤں اور نوجوانوں پر ان کے بزرگوں کو حق حاصل تھا کہ جو چاہیں کریں۔ حضرت عثمان عالی خاندان بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے چچانے انہیں چٹائی کے اندر لپیٹ کر دھواں دے دیا، جس سے آپ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بھی ان کی ماں نے مرن بھرت "رکھ لیا۔ حضرت مصعب بن عمیر بالوں پر منہ کرکے گھر سے نکال دیئے گئے۔ حضرت عثمان نے اسی لیے اپنی زوجہ محترمہ (حضور ﷺ کی صاحبزادی) کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ غلاموں کے ساتھ جو معاملہ ہورہا تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ لیکن اُس دور میں حکم تھا کہ "کُفُّوا ابدیَکُم یعنی اپنے ہاتھ روکے رکھو۔ اس لیے کہ تمہیں ابھی وقت چاہیے۔ ابھی تم تھوڑے ہو اور تمہارا Base بڑا محدود ہے تم اگر اس حالت میں مزاحمت کروگے تو کچل دیے جاؤ گے۔ تمہیں ابھی وقت چاہیے اور اس وقت کے لیے صبر کرو، اپنے ہاتھ روکے رکھو، چاہے تمہارے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں یا زندہ بھون دیا جائے۔ اپنے دفاع میں بھی ہاتھ مت اٹھاؤ۔ یہ صبر محض ہے۔ مکی دور میں کم از کم آٹھ برس تک یہ مرحلہ جاری رہا۔ ابتدائی چار سال اس مرحلے میں شامل نہیں تھے بلکہ جسمانی تشدد کا آغاز چوتھے سال سے ہوا ہے۔ چنانچہ پورے آٹھ یا نو برس تک کسی تشدد کا جواب نہیں دیا گیا اور ہاتھ بندھے رکھے گئے۔ 19

صبر کی تلقین

انقلابی جدوجہد میں صبر محض کی حکمت عملی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کی خاموش اکثریت (Silent Majority) کی ہمدردیاں ان انقلابی افراد کی طرف منعطف ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ لوگ باہم باتیں کرتے ہیں دیکھو امیہ بن خلف نے حضرت بلال کو اس طرح وحشیانہ طور پر مارا ہے کہ اس طرح حیوانوں کو بھی نہیں مارا جاتا۔ کیا بلال نے کہیں چوری کرلی تھی یا اس کی بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا؟ نہیں وہ تو صرف یہ کہتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ خاموش اکثریت خاموش تو ہوتی ہے لیکن وہ اندھی یا بہری تو نہیں ہوتی، اگرچہ وہ بول نہیں سکتی۔

CC BY

کیونکہ اس میں اس کی ہمت و جرات نہیں ہوتی کہ ظالم سے پوچھ سکے کہ کیا کر رہے ہو؟ لیکن وہ اندھی، بہری یا گونگی تو نہیں ہوتی۔ وہ دیکھ اور سن رہی ہوتی ہے۔ نتیجاً ان کی ہمدردیاں اندر ہی اندر انقلابی جماعت کے افراد کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ یہ " جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ کسی انقلابی جدوجہد میں Passive Resistance کا دور انتہائی مؤثر اور فیصلہ کن ہوتا ہے اور آئندہ کی کامیابیوں کی ضمانت یہیں سے ملتی ہے 20

۲۔ اقدام:

اگلے مرحلے میں اس انقلابی جماعت کی قیادت جب یہ محسوس کرے کہ اب ہم مضبوط ہیں، ہماری تعداد بھی کافی ہے، کارکنوں کی تربیت بھی صحیح ہوئی ہے، انہوں نے اپنے نفس کو قابو میں کر لیا ہے، ان کی نیتیں بالکل خالص ہو چکی ہیں، ان کی جدوجہد خالصتاً لوجہ اللہ ہے اور وہ "يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ" کا مصداق بن چکے ہیں، ان کی کیفیت یہ بن گئی ہے کہ وہ منظم ہیں، سمع و طاعت پر کاربند ہو چکے ہیں اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں، تو اب اقدام کیا جائے اور آگے بڑھ کر اس نظام باطل کو چھیڑا جائے۔ چھیڑنے کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ جو اللہ کے دین کو غالب کرنا چاہتے ہیں ان کا کام ہے کہ وہ باطل کو چھیڑیں گے، کیونکہ وہ باطل سے ٹکر لینا چاہتے ہیں۔ وہ اس درخت کو جڑ سے اکھیڑنا چاہتے ہیں، لہذا اسے ہلانا شروع کریں گے۔ جب ہی تو اس کا امکان ہوگا کہ اسے اُکھیڑا جا سکے۔

اب یہ باتیں واضح طور پر سامنے آنی چاہئیں۔ اب علامہ شبلی اور ان سے پہلے کا زمانہ گزر گیا جب ہمارے سیرت نگاروں کو اہل یورپ کے سامنے معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنا پڑتا تھا۔ مغرب کی طرف سے جہاد اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ

"بوئے خون آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے" اور یہ کہ اسلام کی ساری تبلیغ تلوار سے ہوئی ہے۔ اس پر ہمارے علماء کا انداز یہ ہوتا تھا کہ نہیں نہیں، حضور ﷺ نے جنگ شروع نہیں کی، بلکہ جنگ ان پر ٹھونسی گئی تھی، آپ نے تو مدافعانہ جنگ کی تھی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

اللہ کا دین تو غالب ہونے کے لئے آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ اسے غالب کرنے کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ 21

الْحَقِّ يَعلُوا وَلَا يُعْلَى عَلَيْهِ

(حق غالب ہو کر رہتا ہے، اسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔)

جب تک طاقت موجود نہیں اس وقت تک تو باطل کے غلبے کو برداشت کرنا پڑے گا لیکن طاقت ہونے کے باوجود آپ باطل کے غلبے کو برداشت کر لیں تو آپ کے دین و ایمان کی نفی ہو جائے گی۔ اس حوالے سے جان لیجیے کہ صبر محض (Passive Resistance) کے بعد اقدام (Active Resistance) در حقیقت تیسری منزل کے جہاد کا دوسرا مرحلہ ہے۔

۳۔ تصادم:

OPEN ACCESS CC BY

جب آپ نے نظام باطل کو چھیڑ لیا اور ان کے مفادات پر جب ضرب پڑی تو وہ اٹھیں گے اور اپنے نظام کا دفاع کریں گے۔ چنانچہ وہ پوری قوت کے ساتھ آپ پر حملہ آور ہوں گے اور پھر بالفعل تصادم (Conflict) ہو گا۔

اس تصادم کی دو شکلیں ہیں۔ ایک شکل وہ ہے جو ہمیں سیرت نبوی ﷺ میں نظر آتی ہے۔ یہ قتال فی سبیل اللہ تھا، جس کے لیے حکم دیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَقَاتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمْ "-22

"اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں"

اور فرمایا

" أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۟"-23

"اجازت دے دی گئی ہے ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔"

اور فرمایا

"وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ لِلَّهِ "-24

"اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے"

موجودہ حالات میں مسلح تصادم کا متبادل

سیرت النبی ﷺ میں ہمیں تصادم کی جو صورت نظر آتی ہے وہ تو قتال یعنی دو طرفہ جنگ ہی کی ہے۔ لیکن موجودہ حالات میں اس کی ایک یک طرفہ شکل بھی ہو سکتی ہے۔ اس کو ایک اجتہادی رائے سمجھ لیں۔ ہمارے موجودہ حالات دور نبوی کے حالات سے کئی اعتبارات سے مختلف ہیں۔ آج حکومتیں بہت طاقتور ہیں اور وہ باطل نظام کی محافظ ہیں۔ ملک میں اگر جاگیر داری نظام رائج ہے تو حکومت میں جاگیر دار بیٹھے ہیں، سرمایہ داری نظام میں سرمایہ دار حکومت سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اگر آپ نظام کو بدلنا چاہیں گے تو وہ لوگ چونکہ حکومت پر فائز ہیں اس لیے وہ اپنے تمام تر وسائل آپ کے خلاف استعمال کریں گے۔ حکومت پر فائز ہونے کے ناطے مسلح افواج، ایئر فورس، پولیس اور پیرا ملٹری فورسز ان کے اختیار میں ہیں، جبکہ عوام نہتے ہیں۔ اس لیے یہ مقابلہ اتنا غیر مساوی ہو گیا ہے کہ قتال کا معاملہ قابل عمل نہیں ہے۔ تاہم یاد رکھیں کہ یہ بہر حال جائز ہے، جہاں بھی اس کے قابل عمل ہونے کا امکان ہو وہاں فاسق و فاجر حکمرانوں سے قتال کیا جا سکتا ہے۔ اس کو کسی نے حرام نہیں کیا۔25

یہ تو غلام احمد قادیانی (علیہ ما علیہ) کا موقف ہے کہ دین کے لیے حرام ہے اب دوستو قتال! قتال جہاں قابل عمل (feasible) ہو گا لازماً کیا جائے گا۔ لیکن اگر ادھر قوت اتنی ہے اور ادھر عوام نہتے ہیں تو عوام کو اپنی طاقت کا اظہار عوامی سطح پر منظم مظاہروں کی صورت میں کرنا ہو گا اور حکومت کے خلاف ایک تحریک مزاحمت اٹھانا ہو گی۔ یہ تحریک عدم تشدد پر مبنی عدم

CC BY

تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک ہو گی، جو بالآخر غیر مسلح بغاوت (Unarmed Revolt) کی صورت اختیار کرے گی۔ یہ غیر مسلح بغاوت یک طرفہ ہو گی، جس میں حصہ لینے والے خود جان دینے کے لیے تیار ہوں، لیکن کسی کی جان کے درپے نہ ہوں۔ قتال اگرچہ دوطرفہ معاملہ ہے۔ لیکن اس میں بھی اصل شے تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آنا ہوتا ہے۔ تو جو شخص اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے میدان میں آگیا ہے تو گویا کہ اس نے قتال کا تقاضا پورا کر دیا۔ قتال اگر یک طرفہ ہو اور غیر مسلح بغاوت کی صورت اختیار کرے تو اس میں حصہ لینے والوں کو پولیس اور فوج کی گولیوں کا نشانہ بننا پڑے گا، ان پر لاٹھی چارج ہو گا اور یہ جیلوں میں ٹھونسے جائیں گے۔ اگر لوگ اس کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو گویا انہوں نے وہ شرط پوری کر دی ہے کہ وہ اپنے خون سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اللہ تعالی کے نظام کی سربلندی کی جدوجہد کی گواہی دینے کو تیار ہیں۔ اس حوالے سے یہ سول نافرمانی اور غیر مسلح بغاوت مسلح تصادم (Armed Conflict) کا بدل ہے۔

حوالہ جات

---

[1] الحجرات ۴۹:۱۵

[2] النساء ۴:۷۷

[3] الانفال ۸:۱۵

[4] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالنبی (ضیاالقرآن پبلی کیشنز، لاہور، جنوری، ۱۹۹۱ء)، ۳/۲۸۴

[5] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالنبی (ضیاالقرآن پبلی کیشنز، لاہور، جنوری، ۱۹۹۱ء)، ۳/۲۸۴

[6] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالنبی (ضیاالقرآن پبلی کیشنز، لاہور، جنوری، ۱۹۹۱ء)، ۳/۲۸۴

[7] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن، ۱/۱۳۳

[8] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن ۱/۱۷۹

[9] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن، ۱/۱۴۷

[10] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن، ۱/۳۶۵

[11] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن، ۱/۳۶۵

[12] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن، ۱/۳۷۲

[13] پیر محمد کرم شاہ، ضیاالقرآن، ۱/۳۷۱

OPEN ACCESS
CC BY

[14] البقرۃ۲: ۲۵۲

[15] ڈاکٹر اسرار احمد، جہاد فی سبیل اللہ (تنظیم اسلامی،لاہور، ستمبر:۱۹۹۹ء)،ص:٦

[16] العنکبوت۸:۲۹

[17] لقمان ۳۱: ۱۵

[18] النساء ۴،:٦ ۷

[19] ڈاکٹر اسرار احمد، جہاد فی سبیل اللہ، ص:۴۹

[20] ڈاکٹر اسرار احمد، جہاد فی سبیل اللہ، ص:۵۰

[21] ڈاکٹر اسرار احمد، جہاد فی سبیل اللہ، ص:۵۲

[22] البقرۃ۲ : ۱۹۰

[23] الحج ۲۲: ۳۹

[24] البقرۃ۲: ۱۹۳

[25] ڈاکٹر اسرار احمد، جہاد فی سبیل اللہ، ص:۵۵

OPEN ACCESS
CC BY